Lesson 1: Ra'ad (Ayaat 1- 17): Day 4

سُوۡرَۃُ الرَّعد کی تفسیر

هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ‌ ۚ‏ ﴿۱۲﴾

وہی ہے جو تمہارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جنہیں دیکھ کر تمہیں اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں اور امیدیں بھی بندھتی ہیں وہی ہے جو پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھاتا ہے ۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰۤـئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ‌ ۚ وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ وَهُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ‌ ۚ وَهُوَ شَدِيۡدُ الۡمِحَالِ ؕ‏ ﴿۱۳﴾

بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے اس کی ہیبت سے لرزتے ہوئے اُس کی تسبیح کرتے ہیں وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے اور (بسا اوقات) اُنہیں جس پر چاہتا ہے عین اس حالت میں گرا دیتا ہے جبکہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں فی الواقع اس کی چال بڑی زبردست ہے ۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمان پہ ہونے والی بڑی بڑی تبدیلیوں کا تذکرہ کر دیا۔ کہ کس طرح جب بجلی چمکتی ہے تو خوف بھی آتا ہے اور اُمید بھی ہوتی ہے۔ یہاں سے عمل کی بات سیکھ لیں کی فطرت کا اصول ہے کہ خوشی کے ساتھ غم اور غم کے ساتھ خوشی ہے۔ اُمید کے ساتھ نااُمیدی اور نااُمیدی کے ساتھ اُمید ہوتی ہ۔ اسی طرح ایمان بھی دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔

ایک صحابی بسترِ مرگ پر تھے تو اللہ کے نبیؐ وہاں پہنچے، تو پوچھا کیا محسوس ہو رہا ہے۔ کہنے لگے کہ اپنے گناہوں کا سوچتا ہوں تو ڈر لگتا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ کی رحمت کی اُمید بھی لگ رہی ہے۔ نبیؐ نے فرمایا

کہ بے شک تو مومن ہے۔ حقیقت ہے کہ اپنے گناہوں سے بے نیاز ہو جانا اور کہنا کہ اللہ معاف کر دے گا، یہ بھی ایمان کی کمی کی دلیل ہے۔ اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھے کام کر کے پھر کہنا کہ ہمیں کہاں اللہ نے بخشنا ہے یہ بھی ایمان کی کمی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کائنات کی مثالوں سے یہ خبر دیتے ہیں کہ تم کام کرتے رہو۔ حالات جیسے بھی ہوں، چلتے رہو۔ بعض دفعہ حالات بالکل غیر متوقع ہو جاتے ہیں، ہم کچھ اور سوچ رہے تھے لیکن کچھ اور ہو گیا۔ جیسے آپ سوچ رہے تھے دھوپ ہو گی لیکن اتنی تیز بارش ہوئی کہ چھتری نہ ہونے کی وجہ سے آپ بھیگ گئے۔ اللہ کہتا ہے کچھ بھی ہو جائے، کل کیا ہونا ہے اسکی فکر چھوڑو، بس کام کرو۔ زندگی تضادات کا مجموعہ ہے۔ ہر حال میں کام کرنا ہے۔ ہم بہت سارے کام اپنے حالات کا شکوہ کرتے ہوئے نہیں کرتے۔ انگلش کا ایک محاورہ ہے where there is a will, there is a way.۔ جب دل میں نیت ہو کہ میں نے یہ کام کرنا ہے تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ تو موسم جیسا بھی ہو کام کرنا ہے، زندگی، گھر، شادی، خاندان، خوشی، غم کچھ بھی ہو کام کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ دی ہے کہ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ تسبیح کی بات ہے تو الرَّعْدُ وہ لفظ ہے جس پر سورۃ کا نام بھی ہے۔ اس کا معنی گرج، چمک ہے۔ اللہ کی تسبیح اور تقلید کا ایک انداز ہے۔ کڑک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ کڑک سے شور کی آواز ہوتی ہے، یہ اصل میں آسمانوں پہ اللہ کے ترانے بج رہے ہوتے ہیں اور فرشتے اللہ کے خوف سے کانپ رہے ہوتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب بجلی کڑکے تو یہ دُعا پڑھنی چاہیئے۔ اللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ۔ اے اللہ ہمیں اپنے غضب کے ساتھ نہ مارنا اور اپنے غصے سے ہلاک نہ کرنا اور اگر تیرا کسی کے ساتھ ایسا اردہ ہے تو ہمیں عافیت دے دینا۔

اس کڑک کی صورت میں اللہ تعالیٰ ہمیں ایک پیغام دیتے ہیں کہ اگر کڑک اور فرشتے اللہ کے ڈر سے تسبیح بیان کرتے ہیں تو تم حالات کے بدلتے ہی نماز کیوں چھوڑ دیتے ہو۔ حالات جیسے بھی ہوں اللہ کو نہیں چھوڑنا۔ لصَّوَاعِقَ، صوَاعِقَتُ کی جمع ہے۔ گر کر بھسم کر دینا، بعض بجلیوں سے آگ لگ جاتی ہے فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَآءُ، یہاں مُراد اچانک پکڑ ہے۔ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ جب وہ اللہ کے معاملے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ کیا جھگڑا ہے ان کا کہ اللہ ہے بھی کہ نہیں، پھر اللہ کیسا ہے، کیا ہمارے تصور کے مطابق ہے، مُراد شرک ہے اور اللہ کی صفات کو نہ ماننا ہے۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ شرکیہ باتیں کر رہے ہوتے ہیں، قریب ہے کہ آسمان سے بجلی گرے اور ان کو جلا کے بھسم کر دے، کیوں کہ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ، اُسکی پکڑ بڑی شدید ہے۔ مِحَالِ، کا لفظ مُحال سے ہے۔ پکڑنے والا خفیہ تدبیریں کرنے والا، قوت سے پکڑنے والا۔ مطلب یہ ہے کہ؛

نہ جا اس کے تحمل پر، کہ بے ڈھب ہے پکڑ اُسکی ۔ ڈر اسکی دیر گیری سے، کہ سخت ہے انتقام اُسکا

بعض دفعہ ہم گناہ کرتے رہتے ہیں لیکن اس سے ہمیں کچھ نہیں ہوتا اور ہم اور پھول جاتے ہیں کہ اگر اللہ ناراض ہوتا تو یہ ہو جاتا، وہ ہو جاتا۔ چونکہ کچھ نہیں ہوا تو مان لو کہ اللہ ہم سے خوش ہے۔

اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، نہیں، میں تمہیں مہلت دے رہا ہوں، جب پکڑوں گا تو تمہیں سمجھ آجائے گی۔

لَہٗ دَعۡوَۃُ الۡحَقِّ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَجِیۡبُوۡنَ لَہُمۡ بِشَیۡءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیۡہِ اِلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُغَ فَاہُ وَ مَا ہُوَ بِبَالِغِہٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

اسی کو پکارنا برحق ہے رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ اُن کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں اُنہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اُس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اُس تک پہنچنے والا نہیں بس اِسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں مگر ایک تیرِ بے ہدف!

ایک سبق میں اللہ کی کتنی غیر معمولی خوبیوں کا ذکر ہے۔ زمین و آسمان سے لے کر ماں کے اندر کی تبدیلیوں کا تذکرہ کیا تو کہا کہ جب اتنا کچھ اُس کے ہاتھ میں ہے تو صرف اُسی کو پکارو۔ اللہ وہ ہستی ہے جو تمہاری پکار کو سُنتا ہے۔ تمہاری حاجتوں کو جانتا بھی ہے اور اُنہیں پورا کرنے پر وہی قادر ہے۔ اُس کے علاوہ اگر کسی ولی، نبی کو پکارتے ہو اور وہ تمہاری پکار سُن بھی لے تو لَا یَسۡتَجِیۡبُوۡنَ لَہُمۡ بِشَیۡءٍ وہ کسی بھی طرح ان کی دعا کو قبول نہیں کر سکتے۔ یہ بحث چھوڑ دو کہ مُردے سُنتے ہیں کہ نہیں سُنتے، یہ نتیجہ لے لو کہ اگر سُن بھی لیں تو آگے سے جواب نہیں دیتے۔ مِنۡ دُوۡنِہٖ میں سب آگئے، پیغمبر، صحابہ، قبروں والے سب۔ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیۡہِ اِلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُغَ فَاہُ وَ مَا ہُوَ بِبَالِغِہٖ ؕ،

مشرک کی مثال یا غیر اللہ سے مانگنے والا، کسی قبر پہ کھڑا مانگنے والا اُس کی مثال اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں کیا ہے کہ ایک شخص پانی کے پاس جائے اور پانی کو دیکھ کے کہے کہ یہ پانی میرے منہ میں آجائے۔ کبھی کھُلے ہاتھ سے کوئی پانی لے سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہتے ہیں کہ اسی طرح کافروں کی پُکار بھی اکارت جاتی ہے۔ غیر

اللہ سے مانگنا اپنے آپ کو راہِ راست سے ہٹانا ہے۔ سمندر کے کنارے پہ کھڑا ہو کے کوئی سارا دن بھی کہتا رہے کہ میرے منہ میں آجاؤ، نہیں آئے گا۔ اسی طرح قبروں پہ بیٹھے لوگ اپنے آپ کو ضائع کر رہے ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾

وہ تو اللہ ہی ہے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سجدہ کر رہی ہے اور سب چیزوں کے سائے صبح و شام اُس کے آگے جھکتے ہیں ۔

سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ كَرۡهًا کون کرتا ہے؟ 'منافق'۔ یعنی جو خود نہیں جھکتے اُن کے سائے تو زمین پہ ہی جھکتے ہیں۔ کیا بتا دیا کہ اللہ کو مان لیں۔

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۙ اَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

اِن سے پوچھو، آسمان و زمین کا رب کون ہے؟ کہو، اللہ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اُسے چھوڑ کر ایسے معبودوں کو اپنا کارساز ٹھیرا لیا جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟ کہو، کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوا کرتا ہے؟ کیا روشنی اور تاریکیاں یکساں ہوتی ہیں؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا اِن ٹھیرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اُس کی وجہ سے اِن پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ کہو، ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب!

اللہ کو مختارِ کُل ماننا چھوڑ کر اتنے کمزوروں کو مانتے ہو۔ یہاں اَلۡاَعۡمٰی، مشرک ہے۔ غیر اللہ کو ماننے والا۔ اور اَلۡبَصِیۡرُ، مومن، اللہ کو ماننے والا۔ الظُّلُمٰتُ، کفر کے اندھیرے اور وَالنُّوۡرُ، توحید کی روشنی۔ یعنی ان مشرکوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان کے معبودوں نے بھی کوئی ایسی مخلوق پیدا کی ہے جیسی اللہ نے کی جو ان کو غلطی لگ رہی ہے کہ ان کو رب مانیں یا اللہ کو رب مانیں۔ تو ان کو یقین دلا دو کہ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّھُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَھَّارُ۔ اللّٰہُ میں کیا آتا ہے۔

- خالق، پیدا کرنے والا
- رازق، رزق دینے والا
- مالک، ملکیت رکھنے والا
- حاکم، حکم دینے والا،
- حاجت روا
- اور مشکل کشا۔ مشکلوں کو کھولنے والا۔

یہ چھ چیزیں "اللّٰہُ" میں آتی ہیں۔ جب ہم اللّٰہُ کہتے ہیں تو ساری صفات ملتی ہیں۔ سب صفّات والا رب بنتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے بس مصلے پہ ٹکریں مارو اور باقی سارے نفع، نقصان غیروں سے لے لو، تو اللہ کہتا ہے کہ یہ تمہاری بھول ہے۔ شروع سے سورۃ میں مشرکینِ مکہ کے غلط اندازے تھے، اللہ، اُسکے رسول اور کتاب کے بارے میں اور یہاں آیت سولہ تک اللہ کی صفات تھیں۔ اس

ہستی کو چھوڑ کر جو اس کائنات کا نظام چلانے والی ہے، تم اپنی مرضی کے کام کرتے ہو۔اب سبق کی آخری آیت ہے، جس میں حق اور باطل کا فرق بتایا گیا۔

آیت سترہ سے شروع کرتے ہیں۔ہم اس آیت کی روشنی میں بہت ہی اہم موضوع پہ بات کریں گے اور وہ ہے "حق و باطل کا فرق" اور آج کے دور میں اُمتِ مسلمہ اس حق کو کیسے پھیلائے۔اہم موضوع ہے تو ہم سب اپنے آپ کو چیک کریں گے کہ اس موضوع میں میں کہاں آتی ہوں۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَـقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آ گئے اور ویسے ہی جھاگ اُن دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں اِسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھیر جاتی ہے اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے ۔

یہاں مَآءً سے مُراد "وحیِ الٰہی" ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبیؐ کے ذریعے جو ہدایت کا پیغام دیا وہ حقیقت میں انسانی دلوں پہ بارش والا ہی کام کرتا ہے۔

جیسے سوکھی زمین پر بارش کا پانی پڑتا ہے تو وہاں سے خوبصورت پودے اُگتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے دل سوکھے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کا بارش برسائی تو فَسَالَتْ بہہ نکلیں۔ فَسَالَتْ کا لفظ وہی ہے جسے ہم اُردو میں 'سیلاب' کہتے ہیں۔ کسی جگہ پانی کا جمع ہو کر بہنا۔ پھر وہاں اَوْدِيَةٌ وادیاں بہہ نکلیں۔ وادی پہاڑوں کی بیچ کی وہ جگہ جسے چاروں طرف سے پہاڑ نے گھیر لیا ہو۔ یہاں وادی سے مُراد 'ایمان والوں کے دل' ہیں۔ مومنوں کے دل۔ انہوں نے کتنا پانی لیا۔ بِقَدَرِهَا اپنی ضرورت کے مطابق۔

اس آیت کو اتنا سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے وحیِ الٰہی کی بارش کی، وہ بارش ایمان والوں کے دلوں پہ پڑی اور ہر انسان نے اپنے ظرف، اپنی وسعت، اپنی طلب اور گہرائی کے مطابق اُس میں سے پانی کو لے لیا۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ کوئی ایک لٹر دودھ اُنڈیلنا شروع کرے اور لینے والا اُتنا ہی لے پائے جتنا بڑا اُس کے پاس برتن ہو گا۔ مطلب کیا ہوا؟ کہ قرآن کی محفل میں سب بیٹھ جاتے ہیں لیکن وہاں سے انسان اپنے برتن کے مطابق لے کے آتا ہے۔ اور یہاں برتن سے مُراد شوق، طلب، جذبہ، ایمان، خواہش ہے۔ ایسا انسان بہت ہی گہرائی سے اس نعمت کو لینے کی کوشش کرتا ہے۔

صحابہ اکرام کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ بعض اوقت وہ قرآن اور نبیؐ کی محفلوں میں اس قدر خاموش ہوتے تھے کہ پرندے اُنکو مجسمے سمجھتے ہوئے اُن کے سروں پہ آ کے بیٹھ جاتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ اُن باتوں کو پوری طرح اپنے اندر جذب کرتے تھے۔ ہم سب اس بات کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب ہم کسی چیز کے اندر ڈوب جاتے ہیں تو اِرد گرد سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہوا، بِقَدَرِهَا رَّابِيًا، سیلاب ساتھ جھاگ بھی لے آیا۔ لفظ احْتَمَلَ کو دیکھیں، اسے اُردو میں 'حمل'

کہتے ہیں۔ یہاں یہ مثال بڑی خوبصورت ہے، قرآن کے نزول کو بارش کے نزول سے تشبیہ دی گئی۔ قرآنِ پاک چونکہ حجاز میں نازل ہوا تھا۔ وہاں زیادہ تر مثالیں اسی سرزمین کی دی گئیں۔ اُس علاقے میں پہاڑی سلسلے اور وادیاں تھیں۔ بارش بہت کم ہوتی تھی لیکن جب بھی بارش ہوتی تھی تو لوگ اُس کے پانی کو جس حد تو ہو سکتا سٹور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانی طبیعت کی رعایت کرتے ہوئے وہ مثالیں دیں جو عام فہم ہیں۔ کسی بھی بات کا حُسن یہ ہوتا ہے کہ وہ سُننے والے کی طبیعت کے موافق ہے بھی یا نہیں۔ اُس کو کتنا اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ یہ وہ وجہ تھی کہ قرآن پڑھے لکھے لوگوں کو بھی اُتنا ہی سمجھ آتا تھا جتنا اَن پڑھوں کو آتا تھا۔

آج بھی یہی معاملہ ہے۔ اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ اللہ نے مکہ کو چُنا، جو ہدایت سے دور بستی، سنگلاخ بے آب و گیاں، نہ پانی، نہ فصلیں۔ کتنے سالوں سے وہاں کوئی نبی نہیں گزرا۔ عرب کی سر زمین پر کوئی نبی نہیں آیا کہ جبرائیلؑ اُن پر اللہ کے حکم سے وحی اُتارتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس بستی کو چُن لیا اور وہاں اقراء کی صورت میں وحی کا آغاز کیا کہ ہوتے ہوتے پھر الیومَ اکملت۔۔ یہ وہ بات پوری ہوئی۔ جس طرح انسانوں کے دل ہوتے ہیں اسی طرح زمینیں بھی ہوتی ہیں۔ زمین کو بہت عرصہ تک پانی نہ ملے تو بنجر ہو جاتی ہے چٹخنے لگتی ہے، اُس کے اندر دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ پھر وہاں کچھ اُگتا نہیں تو لوگ نقل مکانی کرنے لگتے ہیں۔

اسی طرح انسان کا دل جب ایک طویل عرصہ ہدایت کے پانی سے محروم رہتا ہے اور یہاں پانی قرآن اور سُنت ہے، علم کا پانی۔ تو انسان کا دل بنجر ہونے لگتا ہے اگر کوئی ایمان کا مادہ تھا بھی جو بچپن میں بڑوں سے باتیں سُننے سے آیا تھا، وہ اندر ہی دب جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں تم اپنے مُردہ دلوں کو اس

مثال پہ غور کر کے زندہ کرو۔ پہلے پانی برسا، پھر اُس پانی کو ہر ایک نے اپنی وسعت کے مطابق سمیٹ لیا۔ یہاں سے یہ پتا چلتا ہے ہ جب بھی علم کی محفل ہوتی ہے، دینے والے کی ایک ہی کوشش ہوتی ہے کہ ہر ایک وہاں سے بھرپور لے کر اُٹھے۔ لیکن اُس محفل سے کوئی کتنا لے کے اُٹھے گا بِقَدَرِهَا۔ اس کے ساتھ جہاں اور لفظ بولے میں بڑے دُکھی دل کے ساتھ ایک اور لفظ بولتی ہوں کہ ہر ایک اپنے مُقدر کے مطابق ہی لے کے جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا مقدر اچھا ہوتا ہے، ساری زندگی اس کتاب سے دور تھے، ساٹھ، ستر کی عمر میں اللہ ہدایت دے دیتا ہے۔ تو وہ اپنے اگلے کچھ سال اس قرآن کی وحی کی روشنی میں گزارتے ہیں۔

کچھ کی تقدیر اتنی حسین ہوتی ہے کہ اللہ شروع کی عمر سے ہی یہ کتاب دے دیتا ہے۔ کچھ لوگ بچپن سے اس کتاب کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں لیکن اُنہیں شوق نہیں ہوتا، اسکو پانے کے باوجود اور چیزوں میں کھوئے رہتے ہیں۔ یہ مقدر کی بات ہے جیسے ماں باپ پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہر بچے کو خیر دیں لیکن ہر بچے کا اپنا نصیب ہوتا ہے۔ اب اتنی بات سُنتے ہوئے اپنے تصور میں رکھیں کہ وادیاں پانی سے بھری ہوئی ہیں۔ خوب بارش ہوئی۔ پھر کیا ہوا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا، پھر اُٹھا لیا سیلاب نے جھاگ۔ لفظ زَبَد عربی زبان میں مکھن کو کہتے ہیں۔ مکھن کی خاصیت ہے کہ جب لسّی کو بلورتے ہیں تو مکھن اوپر آجاتا ہے اور اُس کے نیچے جھاگ رہ جاتی ہے۔ سمندر کی لہروں کے اوپر کی جھاگ کو زَبَد کہتے ہیں۔ پانی کو جتنی ذور سے گرایا جائے اُتنی جھاگ اُٹھتی ہے۔ اگر آپ نے نیا گرا فال دیکھا ہے تو آپ اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے دودھ کی نہریں ہیں۔ پانی تو ٹرانسپیرنٹ ہے لیکن جب دودھیا پن کیا ہے زَبَدًا رَّابِيًا۔ ایک مثال یہاں ختم ہوئی۔ کہ آسمان سے بارش برسی، زمین پانی

سے بھر گئی، پھر جھاگ اُٹھی اور اوپر تک بھر گئی۔ اسکو سمجھ لیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نئے نئے ایمان کی بات کہ ہے۔ جب انسان کی زندگی میں نیا نیا قرآن یا ایمان آجائے تو دل کی ایسی کیفیت ہوتی ہے۔ وحی کا پانی اندر آتا ہے، اندر ہلچل ہوتی ہے، پھر عمل بدلنے لگتا ہے، پھر انسان کی حالت بدلنے لگتی ہے، پھر حالات بدلنے لگتے ہیں۔ انسان کو ہر دن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تو ایک نئی دنیا ہے۔ آپ سوچیں کہ معاشرہ ایک سمندر ہے اور قرآن سے جُڑنے والا ایک مخالف سمت میں چلنے والا شخص ہے۔ جو نہی انسان کو قرآن پڑھنے سے، اللہ کے نبیؐ کی بات سُننے سے ایک کیفیت ملتی ہے جسکو آپ کہہ سکتے ہیں کہ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

وہ قرآن کے علم کو جذب کرنا چاہتا ہے لیکن معاشرے والے بے چین ہو جاتے ہیں۔ یہ جھاگ مخالفتوں کی جھاگ ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ سب ہمارے مخالف ہو گئے۔ چاروں طرف سے شور اُٹھتا ہے اور کمزور انسان اس شور سے گھبرا کر راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ اب دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

1۔ جو لوگوں کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس معاشرے سے کٹ کے نہیں رہ سکتے۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ یہ جھاگ ہمیشہ رہے گی۔ حالانکہ اگر آج ہی اس کو پتا چل جائے کہ جھاگ کی کیفیت کیا ہے، کہ تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیں تو جھاگ خود بخود بیٹھ جاتی ہے۔ تو اگر ایسا انسان تھوڑا سا صبر کرلے تو مخالفتوں کی جھاگ چھٹنے لگتی ہے۔ آج کے دشمن کل کے دوست بننے لگتے ہیں۔ آپ اپنی زندگی کا نیا رنگ لانے والے تھے تو ایسا تو ہونا تھا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ انسان کی زندگی میں حق آئے اور تبدیلی نہ آئے۔

کچھ لوگ عظمت کی راہ پہ چلتے ہیں اور دوسرے فرائض کی راہ پہ۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟ ایک وہ ہیں جو پانچ وقت نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، اپنے فرائض بہترین طریقے سے ادا کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اُنکی زندگی میں کوئی انقلاب نہیں ہوتا۔ وہ اپنے لیے تو بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن اسلام، لوگوں کے لیے اتنے فائدہ مند نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں پانچ وقت کا نمازی ہے، صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ آج بھی ہم اپنے بڑوں کی منہ سے نیک ہونے کی کیا دلیل سُنتے ہیں کہ پانچ وقت کا نمازی، مسجد جاتا ہے، داڑھی رکھی ہوئی ہے، شلوار ٹخنوں سے اوپر ہے، رزقِ حلال کماتا ہے۔ بہت اچھی بات ہے۔ احسن درجہ ہے لیکن اس سطح پہ جینے والے لوگ فرائض کی سطح پر جی رہے ہیں۔

انشاءاللہ یہ جنتوں میں جائیں گے اگر حرام سے بچتے رہے اور فرائض کی ادائیگی کرتے رہے۔ لیکن احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنت کے سو(100) درجے ہیں اور اگر سورۃ واقعہ کو دیکھیں تو جنت کے دو بڑے درجے ہیں۔ ایک اصحاب الیمین ہے، دوسرا اسابقون الاوّلون ہیں۔ اسی طرح سورۃ توبہ کو کھول لیں تو اللہ نے مہاجرین اور انصار کے گروہوں میں سابقون الاوّلون کا مقام دیا ہے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ یہ کہوں گی کہ ابھی تک جس گروہ سے آپکا تعارف کروایا ہے یہ اصحاب الیمین میں ہونگے انشاءاللہ۔ اور اگر آپ ترجمہ سُن کے دیکھ لیں تو انکا پروٹوکول تو ہے لیکن ثانوی۔

2: اور ایک دوسرا انسانوں کا گروہ ہے جو فرائض کی سطح سے اوپر اُٹھ کے 'عزیمت' کی سطح پہ جیتا ہے۔ عزم سے ہے۔ وہ صرف اس چیز کی فکر نہیں کرتے کہ میں نے نماز پڑھنی ہے بلکہ وہ یہ بھی

سوچتے ہیں کہ دوسروں نے بھی پڑھی ہے یا نہیں، اُنہیں اس بات کی بھی فکر ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اپنے ساتھ ساتھ دین کا بھی درد ہوتا ہے۔

بلکہ اگر آج کا ٹاپک ہی یہ رکھ لیں کہ "دین کا درد رکھنے والے کون" تو زیادہ اچھا ہے۔ اُنہیں غم لگ جاتا ہے۔ سب سے پہلے گھر والوں کا کہ بچوں نے نماز پڑھی یا نہیں۔ پھر اُنہیں اپنے ملازموں کی فکر لگتی ہے، ہوتے ہوتے اُسکی سوچ ہمسائیوں تک جاتی ہے۔ اس طرح سے یہ بندہ تڑپتا ہے کہ پھر گھر سے نکل کر اُسے پورے گلوب کی فکر لگ جاتی ہے۔ یہ عزیمت کے ساتھ جینے والے لوگ ہیں اور یہ لوگوں کو سمجھ نہیں آتے۔ آج سوسائٹی نیکی کے جس معیار پہ ہمیں رُکی ہوئی نظر آتی ہے اوہ فرائض کی سطح ہے۔ جب آپ کی زندگی میں فارغ وقت ہے تو دین کو دیں، لیکن جیسے ہی اپنی کوئی ضرورت آگئی تو کہا کہ دو ہفتے کی چھُٹی لکھ کے دے دیں۔ عزیمت کی سطح پر جینے والا کبھی اپنے آپ کو دین سے الگ نہیں کر سکتا۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ لوگوں کو سمجھ نہیں آتے۔ تین صحابہ ایسے تھے کہ اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ جنت اِن کو پُکارتی ہے۔ ان کے نام لے کے پُکارتی ہے۔ کبھی آپ نے عشرہ مُبشرہ کے بارے میں سُنا کہ وہ نمازیں بہت پڑھتے تھے، روزے بہت رکھتے تھے، حج بہت کیئے۔ آپ تاریخ کھول کے دیکھیئے یہ اُس وقت اسلام کا ہاتھ پکڑتے ہیں جب اسلام اجنبی تھا۔ تو وہ لوگ جو گرے پڑے وقت میں، جب اسلام کو ٹھوکریں پڑیں، جب لوگ اسلام کو ایسے دیکھیں جیسے سوتیلا بچہ ہے، جسکا دل چاہے اسلام کی بات کرے اور جب اپنے ہی لوگ دین پہ عمل کرنا چھوڑ دیں تو ایسے میں آگے بڑھ کے دین کا ہاتھ تھام لے۔ ہم کیا غیر مسلموں کو دعوتِ دین دیں گے، ہمارے تو گھروں میں دین نہیں۔ تو تبدیلی کیوں نہیں آ رہی کہ ہم عزیمت کی سطح کو چھوڑ کر فرائض کی سطح پہ جینا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ وہ بھی اِللہ

ماشاء اللہ۔ اگر سارے مسلمان فرائض کے ہی پابند ہو جائیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اُن کی نمازیں اُنہیں فُحش سے دور نہ کریں، پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ حج ہر سال اور عمرہ کبھی چھوڑا نہیں لیکن جب شادیوں، خوشیوں یا غموں کے مواقع آئیں تو ہم اللہ کی نافرمانی کا کوئی سامان نہ چھوڑیں کہ کیا کریں یہ دن روز تھوڑی آنے ہیں۔ آج ہماری نیکیوں اور عبادات کا اثر ہماری عملی زندگی میں نہیں نظر آتا۔ اسکی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم مخالفتوں سے ڈرتے ہیں۔

آپ اپنے کمرے میں پوری نماز کے بعد نوافل بھی پڑھ لیں، کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن جب آپ اُونچی آواز سے چلنے والے میوزک کو روکنے کی کوشش کریں گے تو وہاں آپ بُرے لگیں گے۔ لوگوں کو آپ کی ذاتی عبادات سے کوئی غرض نہیں ہے، مسئلہ کب اُٹھتا ہے جب ہم اپنے گھر والوں پہ، خاندان والوں پہ تنقید کرتے ہیں۔ اُس وقت پھر شور مچتا ہے۔ اگر ڈاکٹر دوائی دے اور اچھا اثر ہو تو بہت خوش ہوتے ہیں، اُسے کامیاب ڈاکٹر کہتے ہیں لیکن اگر قرآن پڑھیں اور عمل شروع ہو جائے تو کہتے ہیں یہ کیا ہو رہا ہے، قرآن کی دوائی ری ایکٹ کر رہی ہے۔ اگر ہم قرآن پڑھیں اور بدلیں نہ تو ہماری زندگی میں زَبَدًا رَّابِيًا والی کیفیت نہیں آئے گی۔

یاد رکھیئے جتنا آپکا عمل بڑھتا جائے گا اُتنی آپ کی مخالفت بڑھے گی۔ اسی طرح جس انسان کے اندر ایمان زیادہ ہوتا ہے اور اُسکا ایمان صالح پختہ ہونے لگتا ہے، اُتنی مخالفت زیادہ ہو گی۔ پیچھے سے اُٹھتی لہریں کنارے پہ آ کے سر پھوڑ دیتی ہیں۔ ہر مخالفت ایک دن ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اسلام کی شان ہے۔ آپ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد لوگوں کو تنقید نہیں کریں گے، کسی کو کافر نہیں کہیں گے بلکہ

اپنے عمل اور دردمندی کے ساتھ لوگوں کے لیے مددگار بنتے جائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ شور ختم، مخالفت ختم۔

آپ نے بہت اچھا کھانا بنایا۔ آپ بچے سے کہتی ہیں بیٹا کھانا کھالو۔ وہ کہتا ہے، ابھی مجھے بھوک نہیں لگی۔ تو آپ اُس کے پیچھے نہ پڑ جائیں، کھالو، ابھی کھاؤ، نہیں! آپ کھانے کو دستر خون یا ٹیبل پر رکھ دیں اور بچے سے کہیں اچھا نہ کھاؤ، آو میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ پھر آپ کھانا شروع کر دیں، کھانے کی خوشبو سے تھوڑی دیر میں آپکو پتا بھی نہیں چلے گا اور وہ آپ ہی کی پلیٹ میں کھا رہا ہو گا۔ یہ آپکا رویہ دین کی دعوت دینے کی لیے ہونا چاہیئے۔ آپ اپنے دین کو خوشبودار کریں، لوگ خود آپ کی طرف مائل ہوں گے۔

صحابہ اکرام نے جس طریقے سے یہ دین پھیلایا وہ الفاظ، تقریریں، لمبے چوڑے وعظ نہیں تھے بلکہ وہ لوگوں کو عمل سے قائل کرتے تھے۔ آپ لوگوں کو خوشی، محبت، مسکراہٹ دیں، اُنکی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کریں، اُنہیں دُکھ نہ دیں۔ اس میں کوئی پیسہ نہیں لگتا۔ مومن ایک سایہ دار درخت کی طرح ہوتا ہے صحابہ اکرام کی زندگیوں کو دیکھ لیجیئے، جس بستی سے گزر جاتے تھے، تبدیلی آ جاتی تھی۔ محمد بن قاسم مسلمان تھے، کن کے ووٹوں سے آئے تھے۔ ہندووں نے بھی انکو ووٹ دیئے تھے کیوں کہ وہ راجہ داہر کے ظُلم و ستم سے تھکے ہوئے تھے۔ اُنکو یہ پتا تھا کہ یہ مسلمان جب اقتدار میں آتے ہیں تو کم از کم ظُلم نہیں کرتے۔ ہماری بہو، بیٹیوں کی عزتوں پہ ہاتھ نہیں ڈالتے۔ کہتے ہیں کہ ہندووں نے ان کا ایک بُت بنا کے اپنے مندر میں رکھا ہوا تھا۔

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے۔۔۔ جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خُدائی

آج ہم نہ قرآن کے ساتھ جُڑے اور نہ اپنے اندر وہ کردار رکھا۔ یہ آیتیں ہمیں سوچ دے رہی ہیں کہ اگر سوسائٹی کے تھوڑے سے لوگ بھی قرآن کی وحی کو اپنے سینے میں جذب کر لیں اور کردار اور عمل کے ساتھ اپنے آپ کو اس پہ جمالیں تو ایک وقت آئے گا کہ لوگ اُن کی تمنا کریں گے اور اُنکو اپنی حکومتیں پیش کریں گے۔ یوسفؑ کیوں بادشاہ کی ضرورت بن گئے تھے کیوں کہ اُن میں وہ خوبی تھی جو دوسروں میں نہیں تھی۔ ہم چاہتے ہیں مخالفتیں نہ آئیں، یہ مخالفتیں ہمیں جینا سکھاتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو کوئی غم، تکلیف نہ آئے تو علامہ اقبال کے اشعار پڑھیئے جو اُنہوں نے اپنے بیٹے کو کہے تھے۔ اُس میں ذرا جوانی کا رنگ دیکھا تو کیا دُعا دی؛

خُدا تجھے کسی طوفاں سے آشناء کر دے۔۔۔ کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

کیوں طوفان آئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تیرے اندر ہلچل ہی نہیں ہے۔ تجھے تھپیڑے پڑیں، تیری مخالفت ہو، تجھے لوگ باتیں کریں تا کہ تو مضبوط بنے۔

نہیں کتاب سے تجھے فراخ کہ تو۔۔۔ کتاب خواں تو ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

یعنی تجھے کتاب پڑھنی تو آ گئی ہے، تیری تجوید اچھی ہو گئی ہے لیکن ابھی کتاب پہ عمل نہیں کر رہا۔ تو یہ آیت ہم سب کو ایک سوچ دیتی ہے کہ وقت اور معاشرے کے رواج سے اُلٹ چلنے والے ہی معاشرے کی پھنسی ہوئی کشتیوں کو نکالنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ جسطرح بظاہر سب درخت کھڑے ہیں۔ کسی کو نہیں پتا کہ کس درخت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں لیکن ایک آندھی آئے اور جو درخت گر جائیں وہ اس بات کو ثبوت دیتے ہیں کہ اُن کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ اسی طرح عام حالات میں میں اور آپ جو نیکیاں کرتے ہیں تو کوئی اس پہ گمان نہ کرے کہ ہم بہت نیک ہیں۔ اصل پتا تب چلتا

ہے جب مشکل حالات میں آپ جم جائیں۔ آپ ایک طوفان سے گزر جائیں اور جمے رہیں، پھر جو اعتماد آئے گا اُس کو اصل میں اللہ تعالیٰ نے یہاں پیش کیا۔